

# انکارِ خدا کے نتائج

سید جلال الدین عمری

قدیم زمانہ میں انسان نے خدا کے انکار کی توہمت نہیں کی البتہ اس کی صفات کو سمجھنے میں غلطی کی۔ کبھی خدا کی خدائی کو بانٹ دیا اور ایک خدا کے بہت سے خدا بنا ڈالے، کبھی خدا کی مخلوقات کو خدا کا مقام دے دیا اور کبھی خدا کو اس کی مخلوقات کی طرح بے بس و مجبور سمجھ بیٹھا، کبھی خدا کو اپنی ذات پر قیاس کیا اور وہ ساری کم زوریاں اس کی طرف منسوب کر دیں جو خود اس کے اندر پائی جاتی ہیں، کبھی اس کی رحمت سے ایسوس رہا اور کبھی اس کے غضب سے بے خوف ہو گیا، خدا کے بارے میں اس طرح کے غلط تصورات کی وجہ سے خدا سے اس کا صحیح تعلق قائم نہ ہو سکا اور وہ خدا کو ماننے کے باوجود اس سے دور ہی رہا۔

خدا کے بارے میں یہ تصورات اس قدر غیر علمی اور نامقول ہیں کہ وہ کائنات کے علمی اور سائنٹفک مطالعہ کا ہرگز ساتھ نہیں دے سکتے۔ موجودہ دور میں اس کا زبردست ردِ عمل ہوا۔ اس نے ان غلط تصورات کی اصلاح نہیں کی بلکہ خدا ہی کا انکار کر دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے انکارِ خدا کی کوئی تجویز پاس کی اور اس کا متفقہ اعلان کیا بلکہ اس نے اس کائنات کی جو توجیہ کی وہ خدا کے تصور سے خالی ہے۔ اس نے کہا اس کائنات کا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک، یہ محض مادہ کا ظہور ہے۔ مادہ ہی اس کا خالق ہے، مادہ ہی نے اتفاق سے ایک نامعلوم عرصہ میں مختلف سیاروں اور ستاروں کی شکل اختیار کر لی۔ اسی میں ہمارے نظامِ شمسی بھی داخل ہے۔ یہاں پائی جانے والی ساری جان دار اور بے جان چیزیں اور خود انسان کا وجود بھی اسی اتفاق کا کرشمہ ہے۔ اس زمین و آسمان میں دکھیں خدا کا

وجود ہے اور نہ اسے مانتے کی فی الواقع کوئی ضرورت ہے کائنات کی یہ توجیہ آج کے دور کی علمی اور سائنٹفک توجیہ مان لی گئی۔

یہ بالکل نامعقول بات ہے کہ اندھے بہرے مادہ کے عمل کو اڈھی اتفاقی عمل کو، اس وسیع و عریض اور مربوط و منظم کائنات کا خالق تسلیم کر لیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے اور وہی اسے چلا رہا ہے۔ لیکن موجودہ دور اسے غیر مادی توجیہ سمجھتا ہے اور وہ اس مادی کائنات کی کوئی غیر مادی توجیہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

## ایک حقیقت کا انکار کیا گیا

آدمی جب کسی حقیقت کا انکار کر کے کوئی اقدام کرتا ہے تو اسے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ حقیقت جتنی بڑی ہوگی اتنا ہی بڑا نقصان بھی ہوگا، اگر راستہ میں کوئی تپھڑ پڑا ہو اور آپ اسے تسلیم کیے بغیر آگے بڑھیں تو چوٹ کھا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کسی مصروف سڑک پر یہ سمجھ کر آپ سر پٹ دوڑنے لگیں کہ یہاں کوئی ٹریفک نہیں ہے تو آپ کی ہلاکت یقینی ہے۔ خدا کا وجود اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اسے مانے بغیر انسان اس کائنات سے صحیح تعلق قائم نہیں کر سکتا۔ وہ جو بھی قدم اٹھائے گا سراسر تباہی کی طرف جائے گا۔ چنانچہ موجودہ دور کو خدا کے انکار کے بعد بڑے گھناؤنے نتائج سے دوچار پڑا ہے۔ ان میں سے صرف بعض نتائج کی طرف یہاں ہم اشارہ کریں گے۔

## انسان کو حیوان بنا دیا گیا

اگر بے جان مادہ سے یہ کائنات پیدا ہوئی تو یہاں زندگی کہاں سے آئی اور حیوانات اور سب سے بڑھ کر انسان کا وجود کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں زندگی کا آغاز اللہ نے حیوانات سے ہوا۔ ان میں خود بخود زندگی کے بالکل ابتدائی آثار نمایاں ہوئے۔ پھر ان کی نسلوں میں آہستہ آہستہ جسمانی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ یہ تبدیلیاں جب ایک خاص حد کو پہنچ جاتیں تو نئی نئی انواع حیوانات وجود میں آجاتیں۔ ان میں سے جو انواع خود کو ماحول سے ہم آہنگ کر سکیں

ان کا سلسلہ جاری رہا اور باقی ختم ہوتی چلی گئیں۔ اسی عمل سے انسان کا بھی وجود ہوا۔ وہ سلسلہ حیوانات ہی کی ایک کڑی ہے جو مختلف مراحل طے کرتے ہوئے ایک خاص شکل اختیار کر گئی ہے۔

یہ نظریہ ارتقاء ہے جسے انیسویں صدی کے وسط میں ڈارون نے پیش کیا۔ اسے بعض دوسرے ہم خیال سائنس دانوں نے آگے بڑھایا، اس کے مختلف گوشے واضح کیے، اس کی تفصیلات مرتب کیں، بعض لوگوں نے اس سے جزوی اختلاف کیا لیکن اصولی طور پر اس سے متفق رہے۔ بعض نے اس پر سخت تنقید کی اور اس کی کم زوریاں واضح کیں۔ یہ تنقید علمی اور فلسفیانہ بھی تھی اور خالص سائنسی اور حیاتیاتی نقطہ نظر سے بھی چنانچہ اس کی حیثیت اب تک محض ایک نظریہ کی ہے کسی ثابت شدہ حقیقت کی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود مغرب نے اسے خیالات و افکار اور سیاسی نظام کے سارے اختلافات کے باوجود آگے بڑھ کر اس طرح قبول کیا جیسے اس میں کوئی نقص نہیں ہے یا کم از کم علمی سطح پر اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ تعلیم گاہوں میں اسی کا درس دیا جانے لگا، سائنسی تجربات اور اثری اکتشافات سے یہی ثابت کیا گیا اور مختلف طریقوں سے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ انسان کوئی برتر مخلوق نہیں ہے بلکہ محض حیوان کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ انسان کو حیوان ثابت کرنے کی یہ پہلی اور منظم کوشش تھی۔

### انسان حیوان کی حیثیت سے سوچنے لگا

اس کا سب سے بڑا اثر یہ مرتب ہوا کہ انسان اپنے بارے میں ایک حیوان کی حیثیت سے سوچنے لگا۔ حیوان صرف طبعی تقاضے رکھتا ہے اور ہر ممکن طریقے سے ان کی تکمیل کی کوشش کرتا ہے اس کے سامنے صرف وقتی لذت ہوتی ہے اور فوری خطرات کے سوا کوئی دوسرا خطرہ اسے نہیں ہوتا اس کے پیش نظر کچھ غیر مادی یا روحانی مقاصد نہیں ہوتے اس کا کوئی ایسا اخلاقی نصب العین نہیں ہوتا جس کے لیے وہ مادی ضرورتوں اور آسائشوں کو قربان کر سکے۔ وہ اپنے اعمال میں غلط اور صحیح کی تمیز اور کسی برتر رہتی کے سامنے جو ابھی

کے احساس سے خالی ہونا ہے ٹھیک اسی طرح حیوانی ضروریات ہی انسان کی اصل ضرورتیں اور حیوانی تقاضے ہی انسان کے اصل تقاضے قرار پائے اس کے لیے کسی ایسے تقاضے کو ماننا مشکل ہو گیا جو حیوان میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس نے اخلاقی یا مندیوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے اعمال میں خدا کے سامنے جواب دہی کے احساس سے اس کا ذہن خالی ہو گیا۔ اس نے سوچا اس سے ان باتوں کا مطالبہ غلط ہے جن کا مطالبہ کسی حیوان سے کبھی نہیں کیا جاتا۔ جب وہ حیوان ہے تو اس کی فطرت حیوانی ہوگی اور اس سے حیوانی خصوصیات ہی کا ظہور ہوگا۔ ذہن و فکر کا یہ انقلاب بڑا بڑا انقلاب تھا اور انسان ایک ہی جست میں پستی کی آخری حد کو پہنچ گیا۔

### معاشی تقاضے اصل قرار پائے

حیوان کو زندہ رہنے کے لیے غذا کی اور اپنی نسل کو باقی رکھنے کے لیے جنسی خواہش کی تکمیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان دو ضرورتوں کے پورا ہونے کے بعد وہ آسودہ ہو جاتا ہے اور اسے کسی دوسری چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ انسان کے لیے بھی ان ہی دو ضرورتوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی بلکہ یہی اس کی حقیقی اور بنیادی ضرورتیں قرار پائیں۔ اس کے لیے نئے نئے فلسفے وجود میں آئے اور اس کی حکمت اور معقولیت سمجھائی جانے لگی۔

اس میں شک نہیں غذا کی بڑی اہمیت ہے اور انسان صرف غذا ہی کا نہیں لباس مکان اور دیگر معاشی ضروریات کا بھی محتاج ہے۔ ان سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتا لیکن دورِ جدید نے اسی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ کارل مارکس کے نزدیک معاش ہی انسان کا اصل مسئلہ ہے۔ اسی کی بنیاد پر فلسفہ، اخلاق، تہذیب و تمدن اور مذہب وجود میں آتے ہیں۔ اسی کے گرد انسانی تعلقات گھومتے ہیں اور سیاسی نظام قائم ہوتا ہے۔ اس نے کہا معاش ہی سیاسی انقلابات کا سبب بنتی ہے۔ جب وسائل حیات پر کچھ لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے اور کچھ لوگ اس سے محروم ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان کشمکش شروع ہو جاتی

ہے۔ اور بالآخر مجبور ہو جاتے ہیں۔ سرسراقتدار طبقہ سے وسائل حیات بچھین لیتے ہیں اور خود اقتدار کے مالک بن بیٹھتے ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد پھر سوسائٹی و طبقتوں میں بٹ جاتی ہے اور ایک نئی کشمکش شروع ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں لازمی طور پر ایک اور انقلاب برپا ہوتا ہے اور وسائل حیات دوبارہ محروم طبقہ کے ہاتھ میں چل جاتے ہیں۔ پوری تاریخ اس کے نزدیک ان ہی معاشی انقلابات کا نام ہے۔ اس وجہ سے اس نے ساری خرابیوں کی جڑ انفرادی ملکیت کو قرار دیا اور اس کا حل یہ بتایا کہ وسائل حیات افراد سے چھین کر قومی ملکیت میں دے دیے جائیں۔ اسی تصور کے تحت کیونسٹ ممالک میں انقلاب آیا۔ مارکس کا پورا فلسفہ ہی معاش کے گرد گھومتا ہے اس لیے اس کے زیر اثر جن ممالک میں انقلاب آیا اگر ان کا مطلع نظر صرف روٹی، پکڑ اور مکان ہو تو تعجب ہرگز نہیں ہے اس لیے کہ اس سے آگے وہ سوچ ہی نہیں سکتے۔ لیکن جن ممالک نے اس فلسفہ کو تسلیم نہیں کیا وہ بھی صرف اسی کے لیے جی رہے ہیں۔ کوئی اور مقصد حیات ان کے سامنے بھی نہیں ہے۔ انفرادی ملکیت اور اجنبائی ملکیت کی بحث کے باوجود دونوں کی منزل ایک ہے۔ دونوں بنیادی ضروریات سے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں اور تیشات کی طلب میں گم ہو جاتے ہیں۔

### جنسی بھوک بڑھادی گئی

جوانی زندگی کا دوسرا اہم تقاضا جنسی تسکین ہے۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے اس کی تسکین ہونی چاہیے قدرت نے بعض مصالح کے تحت اس میں بڑی لذت رکھی ہے۔ اس میں بے اعتدالی فرد اور جماعت دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔ لیکن موجودہ دور اپنے اعصاب پر جنسی جذبہ کو اس طرح مسلط کر چکا ہے کہ اس کے بہترین جذبات اس کے مقابلہ میں دب گئے ہیں وہ حد ضرورت کے اندر اس کی تکمیل کو کافی نہیں سمجھتا اور اس کے عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے فریڈ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ پیدائش سے لے کر موت تک انسان کے ذہن و دماغ پر ہی تصور چھایا رہتا ہے۔ اسی کی حکومت خواہ اور بیداری ہر حالت میں ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ جذبہ شعور کی سطح پر نظر نہیں آتا لیکن

تحت الشعور میں ضرور موجود ہوتا ہے۔ فریڈ کے نزدیک ان تعلقات میں بھی جن میں جنس کے تصور کو انسان گناہ سمجھتا ہے اسی جذبہ کی کار فرمائی ہوتی ہے۔ ماں اور بچہ اور بھائی اور بہن کے تعلقات بھی اس سے پاک نہیں ہوتے۔ اس تصور کو مغرب نے اس طرح اپنا یا کہ اس کی تہذیب اور معاشرت اس کے گرد گھومنے لگی، آرٹ اور کلچر اس کے ترجمان بن گئے، رقص و موسیقی، کھیل کود، تصویر کشی اور مورت سازی ہر چیز سے اس کا اظہار ہونے لگا۔ جنسی جذبات کو بھڑکانے کا ہر طرف سامان فراہم کیا گیا اور ان جذبات کی تسکین کے لیے نئی تدبیریں کی جانے لگیں۔ جو کام پر ب کے پیچھے اور بند کمروں میں ہوتا تھا وہ بازاروں، سڑکوں، پارکوں اور ٹرف سٹیج گاہوں میں انجام پانے لگا۔ اس وقت انسان جنسی خواہش کسی قسم کی بندش کو اوار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ جنسی بڑھ سکتی ہے بڑھے اور اس کی تکمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

### دولت کی پرستش ہونے لگی

مادی ضروریات کی کوئی حد نہیں ہے۔ ان کو کم نہ کیا جائے تو وہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ اس وقت انسان انہیں کسی قیمت پر کم کرنا بھی نہیں چاہ رہا ہے۔ وہ سوچ سوچ کر اور یہ تکلف نئی نئی ضروریات پیدا کر رہا ہے اور ان کو پورا کرنے کے لیے سرگرداں بھی ہے۔ اس کے لیے وہ شب و روز دولت کے حصول کی فکر میں ہے۔ اس کی ساری توانائی اسی پر صرف ہو چکی ہے۔ وہ دولت کمانے کی ایک مشین بن کر رہ گیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرے اور بڑھی ہوئی ضروریات پوری کرتا رہے۔ آج کے دور کو مسابقت کا دور کہا جاتا ہے۔ یہ مسابقت صرف دولت کے لیے ہے۔ کسی اور میدان میں نہیں ہے۔ ہر شخص دولت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتا ہے۔ آج دنیا کی ساری سماجی اور رونق اسی کے لیے نظر آتی ہے۔ دولت سے اونچی کسی قدر کا تصور بھی اس کے لیے دشوار ہو رہا ہے۔ دولت کی پرستش پہلے بھی ہوتی تھی لیکن آج دنیا نے جس یکسوئی، خلوص اور محبت کے ساتھ اس کے سامنے اپنی جبین نیا ڈھنگ دی ہے اس کی مثال شاید کہیں اور کسی دور میں نہیں مل سکے گی۔

## انسان سکون سے محروم ہوا

اس کے نتیجے میں بلاشبہ دولت و ثروت کی فراوانی ہے۔ مادی ضروریات بہتر طریقہ سے پوری ہو رہی ہیں۔ وہ اسباب حیات جو آج سے پہلے محدود و چند افراد کو نصیب تھے انہوں کی بڑی تعداد کو حاصل ہیں۔ عام انسان کے دست رس اور استعمال میں وہ چیزیں بھی آنے لگی ہیں جنہیں وہ رشک و حسرت سے صرف دیکھا کرتا تھا۔ اس سے بظاہر اس کی پریشانی دور ہو جانی چاہیے تھیں، اسے سکون اور چین ملنا چاہیے تھا اور اسے پورے اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے تھی لیکن وہ پہلے سے زیادہ سکون اور اطمینان سے محروم ہے۔ وہ اس بھری دنیا میں خالی ہاتھ محسوس کر رہا ہے۔ وہ اپنا غم غلط کرنے کے لیے کبھی منشیات کا سہارا لیتا ہے، کبھی پی پی بن جاتا ہے، کبھی خودکشی کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی حالات کے رحم و کرم پر اپنے آپ کو چھوڑ دیتا ہے اور سخت سے سخت نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

## اخلاق کا زوال ہوا

زندگی کے حیوانی تصور نے اخلاقی قدروں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ انسان کے اندر جنسی خواہش، شکم پروری، خود غرضی، مفاد پرستی، حرص و ابلّاج، جھوٹ، مکر و فریب، خبیثیت، جلاور انتقام جیسی حیوانی خصوصیات ابھر آئیں اور وہ ایثار و محبت، ہمدردی و غم خواری، صداقت و دیانت، عفو و درگزر اور عفت و عصمت جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات سے محروم ہو گیا۔ آج پوری دنیا اس کے نتائج سے گھبر رہی ہے۔ لیکن جب تک انسان کے بارے میں اس سے بہتر تصور نہ ہو بہتر اور برتر اخلاقیات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ اس حیوانی تصور کے لازمی ثمرات ہیں جو مغرب نے دل و دماغ میں بٹھا دیا ہے۔

## اسلام کا تصور حیات

اس مادہ پرستی اور اخلاقی گراؤ سے اسلام نجات دلاتا ہے۔ اس کے نزدیک

یہ کائنات بے خدا کے نہیں ہے۔ اس کا بلاشکر ت غیر سے ایک خالق و مالک اور حاکم مطلق ہے۔ انسان اس کا بندہ اور مخلوق ہے۔ وہ کیڑوں مکوڑوں اور جانوروں کی طرح کوئی حقیر مخلوق نہیں ہے بلکہ ایک برتر اور اعلیٰ مخلوق ہے۔ وہ یہاں آزاد اور خود مختار نہیں ہے بلکہ اسے اپنے خالق و مالک کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے۔ اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اپنی مرضی سے آگاہ کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ اس کے لیے صحیح طریقہ حیات کیا ہے اور غلط طریقہ حیات کیا ہے یہ طریقہ نہ تو رہبانیت کا ہے اور نہ بے قید حیوانی زندگی کا۔ اس نے انسان کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے حدود متعین کر دیے ہیں۔ ان حدود کے اندر اپنی ضروریات اور خواہشات پوری کر سکتا ہے۔ ان ضروریات کے پورا کرنے میں اگر وہ ان حدود سے تجاوز کرے تو اس کی سزا سے اس دنیا میں بھی اٹھانی پڑے گی اور اس کے بعد آنے والی زندگی میں بھی اسے خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔

اس کائنات کی صحیح حیثیت متعین کرنے اور اس سے صحیح تعلق قائم کرنے کے لیے ایک ایسے نظریہ کی ضرورت ہے جو اس پر پوری طرح فط ہو جائے اور اس کے بارے میں اٹھنے والے ہر سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دے۔ اسلام کا یہ نظریہ کائنات بہت ہی صاف معقول اور مدلل ہے اور کائنات کی صحیح ترین توجیہ پیش کرتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ اس کو قبول کر کے انسان اس ذہنی انتشار اور پرانگندگی سے محفوظ رہ سکتا ہے جس میں آج وہ گرفتار ہے۔

پھر یہ کہ خدا کا وجود انسان کی ایک حقیقی ضرورت ہے، اس کی نفسیات اس کے بغیر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتی۔ اس کائنات میں اسے ایک ایسی ہستی چاہیے جسے وہ سب سے برتر اور بلند سمجھے جس میں وہ کسی کم زوری اور خامی کا تصور نہ کر سکے، جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ وہ اس کی ہر ایک رائے سننا ہے اور اس کی پریشانیوں کو دور کر سکتا ہے۔ اپنے نازک ترین مسائل کو بھی جس کے حوالہ کر کے وہ مطمئن ہو سکے کہ اس نے اس کائنات کی سب سے بڑی طاقت کے حوالہ اٹھیں کر دیا ہے اور وہ چاہے تو ان کی آن میں اٹھیں حل کر سکتا ہے۔ اور ہر چھوٹی بڑی راحت اور خوشی کو جس کا الطاف و انعام وہ تصور کرے، جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ وہ علم و حکمت



کا خزانہ ہے اور ساری قوتوں کا مالک ہے۔ اس کی قدرت اور طاقت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ جو اپنی بے نظیر خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے اس کی عقیدت و محبت کا مرکز بن جائے اور جس کے سامنے سر جھکا کر وہ مطمئن ہو جائے کہ اس نے کائنات کی سب سے بڑی طاقت کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔ یہ ذات خدا ہی کی ذات ہو سکتی ہے خدا کا انکار کر کے انسان اس سے محروم ہو جاتا ہے۔

زندگی کا حیوانی تصور انسان کو بے قید بنا دیتا ہے۔ وہ کسی چیز کے مفید یا غیر مفید ہونے کا فیصلہ اپنے ذاتی قومی اور گروہی مفاد کی بنیاد پر کرتا ہے۔ بیشتر حالات میں ذاتی مفاد ہی اس پر غالب رہتا ہے۔ جس چیز سے اس کی ذات کو نفع پہنچے وہ اس کے لیے حلال اور مباح ہو جاتی ہے چاہے اس میں دوسرے کا نقصان ہی کیوں نہ ہو اور جو چیز اس کے لیے نقصان دہ ہے وہ اس کے لیے ناجائز قرار پاتی ہے چاہے وہ اس کی اہل خانہ کے لیے کتنی ہی سود مند کیوں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو ماننے کے بعد انسان کچھ حدود و قیود کا پابند ہو جاتا ہے اور ان حدود ہی کے اندر اپنی ضروریات اور خواہشات پوری کرتا ہے۔ یہ حدود و قیود خود اس کی ذات کے لیے بھی مفید ہیں اور پوری سوسائٹی کے لیے بھی۔ ان حدود کو توڑتے ہوئے اسے یہ خوف رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس کرے گا اور اسے اس کا جواب دینا ہوگا سوال یہ ہے کہ کیا انسان اس پابند زندگی کو پسند کرتا ہے یا حیوانوں کی طرح بے قید زندگی گزارنا چاہتا ہے؟ اسی سوال کے جواب پر اس کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے۔

کچھ ادارہ سے متعلق **خدا کا شکر ہے** کہ ادارہ کی اردو مطبوعات کا آغاز محترمی مولانا صدر الدین صاحب کی اہم تصنیف معرکہ اسلام و جاہلیت سے ہوا ہے۔ اس کتاب میں مولانا محترم نے اسلام اور جاہلیت کی کشمکش اور اس کے اسباب و عوامل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑی دیدہ ریزی سے جائزہ لیا ہے مولانا کے قلم کی رغنائی اس کتاب میں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

ادارہ کی دوسری کتاب 'عہد نبوی کے غزوات و سرایا' پیرس میں شائع ہوئی ہے ایک ماہ میں شائع ہو جائے گی۔ راقم کے کتابچہ 'اسلام اور اس کی دعوت' کا انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ محترمہ شہناز بیگم صاحبہ بہت ہی مستند زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

بعض اور سادات بھی موجود ہیں۔ و علیہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی اشاعت کا ساز و سامان فرمائے آمین